مقتضیاتِ ایمان

(۴)
ایمانیات خمسہ کی ضروری تشریح

از جناب مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری

۳- ایمان بالرسل قرآن عزیز نے ایمانیات خمسہ میں سے خاص اہمیت، زبردست خصوصیت اور پوری شدت کے ساتھ اللہ کے رسولوں پر ــــ ایک رسول پر نہیں تمام رسولوں پر ــــ ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔ یہ چیز تمام امور متعلقہ کے لیے ایک ایسی کلی حیثیت رکھنے والی حقیقت ہے کہ اس ایک ہی کے ہٹ جانے سے دوسری تمام حقیقتیں اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہیں۔ اللہ پر، اس کی توحید پر، اس کی مالکیت و بادشاہی پر اور فرشتوں اور کتابوں پر اعتقاد، پھر دنیوی زندگی میں وہ رہنمائی جس پر خیر و صلاح کا، نیکی و تقویٰ کا، راست بازی و پرہیزگاری کا، امانت و دیانت کا، ہمدردی و حسن سلوک اور رواداری کا، اور انسانی زندگی کے تمام فرائض و واجبات، حقوق و آداب، ضوابط و قوانین، اور قواعد و آئین کا مدار ہے۔ پھر اخروی زندگی میں اعمال انسانی کی جزا و سزا، اور حساب و کتاب کا وہ عقیدہ جو اس پورے نظام کے استحکام کا ضامن ہے، غرض سب کچھ جو اسلام میں ہے "ایمان بالرسل" ہی پر موقوف و منحصر ہے۔ اگر یہی نہ ہو تو پھر سارا نظام فکر و عمل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم کسی قدر وضاحت کے ساتھ اس موضوع پر قرآن کی آیات بینات، واضح ہدایات اور محکمات کی روشنی میں چند ضروری باتیں عرض کریں گے۔ پہلے رسالت و نبوت کی حقیقت بتائی جائے گی۔ پھر یہ کہ انسان عقل و خرد اور فہم و فراست رکھنے کے باوجود انبیائے کرام کی تعلیمات کا کیوں محتاج ہے اور انسانیت عامہ کی حیات طبعی اور حیات مابعد الطبیعی کی فلاح و کامیابی نبوت کی رہنمائی و

کارفرمائی کی کس لیے شدید حاجت مند ہے، اگرچہ اس کو اپنی اس ضرورت و احتیاج کا شعور نہ ہو۔

نبوت کیا ہے؟ یہ ایک منصب ہے ـــــ ناگزیر و عظیم الشان منصب ـــــ جس کے ذریعہ سے نوعِ انسانی پر وہ مابعد الطبیعی حقایق کھولے جاتے ہیں جن کا صحیح علم حاصل ہوئے بغیر انسان کا رویہ دنیا میں صحیح نہیں ہو سکتا، اور پھر اس رویے کی نظری و عملی توضیح کی جاتی ہے جو ان غیر محسوس حقیقتوں کی موجودگی میں انسان کو اختیار کرنا چاہیے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سوچنے، سمجھنے، بھلے برے میں تمیز کرنے، مفید و مضر کو الگ الگ چھانٹنے، اور صحیح و غلط کو جاننے پہچاننے کے لیے ظاہری و باطنی قوتیں دی ہیں، احساس و ادراک اور عقل و وجدان کی حیرت انگیز طاقتیں عطا فرمائی ہیں، اور ان سے کام لینے کی صلاحیتیں اور بے نظیر قابلیتیں اس کی فطرت میں ودیعت کر دی ہیں، پھر خارجی ماحول میں بے شمار اسباب و وسائل، آلات و اوزار، مفرد و مرکب اشیاء استعمال کرنے کے لیے مہیا فرما دی ہیں جن سے انسان اپنی ضرورتوں میں کام لیتا ہے، مگر ان میں سے کوئی چیز بھی یہ جاننے کے لیے کافی نہیں ہے کہ محسوسات کے پیچھے حقیقت نفس الامری کیا ہے اور اس حقیقت کے لحاظ سے انسان کو دنیا میں کس مقصد کے لیے کس طریقے پر کام کرنا چاہیے۔ قیاسات اور تجربات و مشاہدات کی روشنی میں انسان اپنے لیے زندگی کا ایک نظریہ اور اس کے مطابق ایک طریقہ بنا لیتا ہے جب تک یہ سب کچھ عقلی، نظری، طبعی اور تکوینی سنن الٰہیہ سے بہت زیادہ بعید اور متصادم نہیں ہوتا، بادی النظر میں کام اچھی طرح چلتا نظر آتا ہے، مگر جب ناواقفیت کی بنا پر زندگی کی گاڑی حقیقت سے بہت دور نکل جاتی ہے تو فساد عظیم نمودار ہونے لگتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں ایک عام بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے جس سے پوری انسانی آبادی شدت کے ساتھ متاثر ہو کر فلاکت و ہلاکت، تباہی و بربادی، خسران و خذلان میں ایسی مبتلا ہو جاتی ہے کہ خواص و عوام سب اس کی زد میں آجاتے ہیں۔ یہ نتائج صرف اس بات کا ثبوت دے دیتے ہیں کہ جو نظریۂ زندگی قیاسات اور تجربات و مشاہدات پر قائم کیا گیا تھا وہ غلط تھا، بلکہ انسانی تاریخ میں مسلسل ایسے ہی نتائج کا رونما ہوتے رہنا اس بات کا مستقل ثبوت ہے کہ نظریۂ زندگی قائم کرنے کے لیے سرے سے قیاسات، تجربات اور مشاہدات کوئی صحیح بنیاد ہی نہیں ہیں۔

پس جب تک خود اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے حقیقت کا علم دینے اور اس کے مطابق صحیح راستہ بتانے کے لیے انبیاء و رسل کو مقرر نہ کیا جائے، انسانی زندگی میں، امن، اطمینان، ہمواری، توازن اور عدل کی فضا پیدا نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہی امن، اطمینان، ہمواری اور توازن و اعتدال وہ اہم ترین قدریں ہیں جو انسان کو زندگی میں مطلوب ہیں، لہٰذا جب ان قدروں تک عام انسان خود اپنی تلاش و سعی سے نہیں پہنچ سکتے تو لامحالہ ان کو اپنی حسی، عقلی، وجدانی قابلیتوں سے بالاتر قابلیت، اکتسابی فضیلتوں سے اعلیٰ فضیلت اور دماغی بلندیوں سے ارفع بلندی رکھنے والے رہنماؤں کی سخت ضرورت ہے جن کے پاس حقیقی علم، یقینی معرفت، کامل ایمان، اور بے آمیز فراست کا نور ہو، جو ضلالتوں میں بھٹکنے والی، خدا کی نعمتوں سے اپنی تباہی کا سامان کرنے والی، حیران و سرگشتہ، پریشان و درماندہ، مصیبتوں کی ماری ہوئی انسانیت کے سامنے ایک صحیح ترین نظام اور اس کے اجرا و نفاذ کا عملی پروگرام پیش کریں اور مرضیٔ الٰہی کے مطابق اس کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں برت کر بھی بتلا دیں۔ اسی مقصد اہم کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص برگزیدہ، نیک سیرت، نیک سرشت، پاک طینت، حکمت و دانائی کا پیکر، سراپا عصمت اور مجسم ہمت بندوں کو اپنا رسول بنا کر مبعوث فرمایا، اور ان کو القاء، الہام، اور وحی کے ذریعہ سے حق کا مکمل علم عطا فرمایا۔ یہ انبیاء وہم و گمان، شک و تذبذب، اور ظن و تخمین پر چلنے والی دنیا کے سامنے قطعی حجت، حتمی برہان اور اٹل استدلال کے ساتھ نمودار ہوتے ہیں۔ نہایت مضبوطی و پختگی سے انسانی اوہام، مزعومہ خیالات، فاسد قیاسات، نفسانی میلانات، اور ہر قسم کے غلط رجحانات کا قلع قمع کر کے رکھ دیتے ہیں۔ سلیم الفطرت، صداقت پسند، عفت شعار، اور صاحب بصیرت انسانوں کو اپیل کرتے ہیں۔ ان کے دماغوں میں صحیح استدلال، دلوں میں سچے جذبات، اور اعضاء و جوارح میں صحیح عملی حرکت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کو منظم کر کے دین حق کو قائم کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اور جس دور میں بھی ان کی سعی بار آور ہوتی ہے انسانی زندگی میں امن، سکون، چین اور اطمینان حاصل ہونے لگتا ہے اور خدا کی زمین فطرت کائنات سے ہم کنار ہو کر ایک بہارستان بن جاتی ہے۔

اگرچہ انسان کی اجتماعی زندگی میں قیادت وہ خاص خاص افراد بھی کر لیتے ہیں جن کو عام انسانوں کی بہ نسبت کسی قدر زیادہ غور و فکر، عقل و خرد اور سوجھ بوجھ کی قوت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اپنی تجربہ کاری ذہانت اور غیر معمولی علمیت سے فائدہ اٹھا کر انسانیت کی بنیادی اخلاقی قدروں کا کسی حد تک اندازہ لگا لیتے ہیں اور پھر انہی کو حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ اگر ایسے لوگوں کو خوش قسمتی سے ذرائع و وسائل بہم پہنچ جاتے ہیں تو وہ عام انسانوں پر اپنی دماغی و ذہنی برتری کا سکہ بٹھا کر، اور کچھ اپنے اخلاق اور سیرت کی پختگی، ایثار و فدویت اور نیک نفسی کا مظاہرہ کر کے دنیا پر چھا جاتے ہیں، لیکن جہاں کہیں الٰہی رہنمائی کے بغیر بعض انسانوں کو اس طرح کی اخلاقی و روحانی یا دنیوی ریاست قائم کرنے کا موقع ملا ہے اس کا انجام یہی ہوا ہے کہ لوگ آنکھ بند کر کے ان کے پیچھے چلے جاتے ہیں اور دوسرے بناوٹی خداؤں کو چھوڑ کر انھیں ارباب من دون اللہ بنا کر پوجنے لگتے ہیں۔ اسی طرح بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو چالاکی، عیاری اور غیر معمولی ہشیاری کے سبب سے دلوں اور دماغوں پر اپنی سطوت و شوکت قائم کرتے ہیں، اور بخت و اتفاق سے چلتے ہوئے خوش رنگ طریقوں کے بل پر کسی گرتی ہوئی قوم کے لیڈر بن جاتے ہیں۔ اپنی فلسفہ طرازی، فکری بلند پروازی، اور تقاضائے وقت کے مطابق پالیسی کی وجہ سے اس قوم پر چھا جاتے ہیں۔ ان کے گرد صرف وہ لوگ جمع ہوتے ہیں جو قومیت کے نشے میں سرشار اور تمام انسانیت کے عمومی مفاد کے بالمقابل محض اپنی ہی قوم و نسل کی برتری و فوائد پر جان دینے والے ہوتے ہیں۔ ایسے رہنماؤں کی قیادت میں یہ تو ممکن ہے کہ کوئی گرتی ہوئی قوم اٹھ جائے اور اس میں کچھ اخلاقی ذہنی و مادی رفعت بھی پیدا ہو جائے اور اس کی ایک طاقت ور ریاست بھی بن جائے۔ مگر اس کا آخری نتیجہ قوموں کی نزاع بین القوامی ظلم، اور انسانیت کی مجموعی بدحالی کے سوا کچھ نہیں۔ ان دونوں قسموں کے روحانی و مادی رہنماؤں کے پاس صحیح علم، اور قطعی ہدایت کی دولت گراں نہیں ہوتی جس سے وہ کوئی درست اور جامع نظام حیات پیش کر سکیں اور جو تمام بنی نوع انسان کے لیے عمومی فلاح و نجات کا ضامن و کفیل ہو سکے۔ اس لیے ان کے ظاہری طمطراق والے تمام کارنامے ایک دن الٹ پلٹ ہو جاتے ہیں اور ان کی قیادت کا ضعف واضح ہو کر رہتا ہے۔

یہ ہے اصلی اور حقیقی فرق و امتیاز ان خود ساختہ رہ نماؤں اور اللہ کے فرستادہ انبیاء کرامؑ کے درمیان۔

انبیاء کرام کی بعثت اور اسکی غرض و غایت

اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب سے پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو اپنی زمین پر اپنا خلیفہ اور رسول بنا کر بھیجا۔ انھوں نے اپنی اولاد کو وحی الٰہی اور ہدایت ربانی کے تحت اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذارنے کا طریقہ اپنے علم و عمل دونوں سے بتا دیا جس پر نوع انسانی گامزن رہی اور ایک زمانۂ دراز تک اپنی فطری صلاحیتوں کو انہی الٰہی ہدایتوں اور احکام کے موافق استعمال کرتی رہی۔ پھر اس دور کے بعد نفس و شیطان کی شرارتوں سے بنی آدم کے درمیان تصادم اور کش مکش کی صورتیں پیدا ہونی شروع ہوئیں، انسانی برادری میں اختلافات رونما ہونے لگے اور تمام دنیا بگڑتے بگڑتے اس قدر بگڑ گئی کہ خیر و شر کی تمیز جاتی رہی، سعادت و شقاوت کا فرق مٹ گیا صحیح و غلط کے امتیازی حدود یک قلم رخصت ہو گئے اور تشتت و افتراق کی وہ المناک فضا پیدا ہو گئی جس کی اصلاح کے لیے سلسلۂ بعثت انبیاء کا آغاز ہوا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

سارے انسان ایک ہی "امت" تھے (پھر ان کے آپس میں اختلافات پڑ گئے) تو اللہ نے نبیوں کو (صحیح رویۂ زندگی کی) خوش خبری دینے والے اور (اس راہ سے ہٹ جانے والوں کو) متنبہ کر دینے والے بنا کر بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری جو حق پر مشتمل تھی تاکہ وہ انسانوں کے درمیان ان تمام معاملات میں فیصلہ کر دے جن میں انھوں نے اختلاف کر لیا تھا۔ اور یہ اختلاف بھی انھوں نے آپس کی ضد کے مارے کیا تھا اس کے بعد کہ ان کے پاس حق آ چکا تھا اور واضح ہدایات دی جا چکی تھیں۔ پھر جو لوگ ان نبیوں پر ایمان لائے ان کو اللہ نے اپنے اذن سے اُس حق کی ہدایت فرما دی جس میں لوگوں نے اختلاف کر رکھا تھا، اللہ جس کو چاہتا ہے "صراط مستقیم" پر لگا دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولوں کو اسی لیے مبعوث

فرمایا ہے کہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے حضور میں اپنی گمراہیوں کے لیے یہ عذر نہ کر سکیں کہ ہمارے پاس تو کوئی آپ کا فرستادہ حق کا پیام لے کر آیا ہی نہیں تھا اور نہ ہمیں آگاہ کیا گیا تھا کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہ کرنا چاہیے، اسی لیے تو ہم ضلالت میں پڑے رہے۔

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا (النساء)

ہم نے رسولوں کو خوش خبری دینے والے اور آگاہ کرنے والے بنا کر اسی لیے تو بھیجا ہے کہ انسانوں کے پاس ان رسولوں کے بعد، اللہ کے مقابلہ میں کوئی حجت باقی نہ رہ جائے اور اللہ عزت والا، حکمت والا ہے۔

اس مضمون کی متعدد طریقوں سے متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تصریح فرمائی ہے۔ یہاں تمام آیتوں کو بالاستیعاب پیش کرنا ممکن نہیں ہے۔ البتہ ایک اور آیت مبارکہ اس سلسلہ میں نہایت بصیرت افروز ہے۔ جس میں تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد اصلی ایک قاعدہ کلیہ کے طور پر بیان کیا گیا ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (الحدید)

ہم نے "بینات" کے ساتھ اپنے رسولوں کو بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو اتارا ہے تاکہ لوگ (اپنے نظام زندگی میں) عدل و انصاف پر قائم ہو جائیں اور ہم نے لوہا پیدا کر دیا ہے جس میں سخت زور ہے اور انسانوں کے لیے بہت سی منفعتیں بھی ہیں۔

آیت کریمہ میں "حدید" کا لفظ جو استعمال کیا گیا ہے اور رسولوں کے متعلق یہ جو فرمایا گیا ہے کہ انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب اور میزان اس لیے دی گئی ہیں کہ لوگ انصاف پر قائم ہوں، ان دو حقیقتوں پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرات انبیائے کرام کی دنیا میں تشریف آوری کی غرض حقیقی کیا تھی۔ ہر قوم، ہر ملک اور ہر زمانہ میں جہاں بھی جو نبی اور رسول مبعوث ہوا اس کی دعوت کا لب لباب اور خلاصہ یہ تھا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ

اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا ہے کہ اللہ کی بندگی کرو اور طاغوت (کی بندگی) سے اجتناب کرو۔

پس "ایمان بالرسل" کا مطلب یہ ہوا کہ دعوتِ اسلامی کے ان رہنماؤں کو مان لیا جائے جو ہر دور میں اللہ کی طرف سے انسانی دنیا کی قیادت و رہنمائی کرنے کے لیے مامور ہو کر آتے رہے ہیں۔ جب کبھی انسان اپنی غفلتوں اور خود فراموشیوں سے باز آکر اللہ کی رضا اور خود اپنی فطرۃ سلیمہ کے مطابق اپنی زندگی کی تشکیل کرنا چاہے گا تو اس کے لیے ناگزیر ہوگا کہ ان ہی حضرات کی پیروی قبول کرے اور اقتداء کے لیے انہی کی ہدایات اور ان کے عملی نمونے تلاش کرے۔ پھر چونکہ تمام انبیاء کرام کے بعد آخر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں، اور آپ پوری انسانیت کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لیے اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں اور دعوت اسلامی کے تمام مراحل کے لیے صحیح لائحہ عمل وہیں سے مل سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص انبیاء و رسل کی شخصیتوں کو اور ان کے تاریخی کارناموں کو محض ایک تاریخی حقیقت کے اعتبار سے جانتا اور مانتا ہو تو یہ ہرگز اس کے مومن اور برسرِ ہدایت ہونے کے لیے کافی نہ ہوگا۔ راہِ راست پر صرف وہ ہے جو انھیں خود اپنا رہنما تسلیم کرے، اعتقاد و عمل کے ہر گوشہ میں ان کی پیروی قبول کرے، ان کی ہدایت کو بے خطا مانے، جو کچھ ان سے ثابت ہو اس کے آگے سر جھکا دینے میں چون و چرا نہ کرے، اور صرف "مذہب" ہی کے معاملہ میں نہیں بلکہ تہذیب و تمدن معاشرت و معیشت، سیاست و حضارت، قانون و عدالت، اور نظریات و افکار کے معاملات میں بھی ان کو سرچشمۂ ہدایت تسلیم کرے، اور اس طرح اپنی پوری زندگی، اپنی پوری صلاحیتیں انہی کی رہنمائی میں سپرد کر کے بے چون و چرا ان کی پیروی میں لگ جائے۔

اس طرح جب انسان انبیاء کی پیروی کرے گا تو لامحالہ اس کی زندگی کا مقصد وہی ہوگا جو انبیاء کی زندگی کا مقصد تھا، یعنی اقامت دین۔ اور اس کے لیے لازم ہوگا کہ اقامت دین کی اس جدوجہد میں ہر مرحلہ پر اپنے رب کو انہی کی تعلیمات، افکار اور طریق کار کا پابند رکھے، اسی حکمت و دانائی اور تدریجی رفتار سے باطل کے ساتھ مقابلہ کرے، اور اہل باطل سے انقطاع اور تصادم میں دعوت

ہجرت اور جہاد کے سارے قدم اسی طرح اٹھائے جس طرح ان بزرگوں نے اٹھائے ہیں۔ انبیاء کا حقیقی پیرو ان کے اخلاقی و روحانی کمالات اور ان کے معجزات و کرامات پر محض سر دھننے والا اور ان کے ذکر سے نری عقیدت کی پیاس بجھا لینے والا نہیں ہوگا بلکہ وہ اتباع حقیقی کے لیے ان کی سیرتوں کا مطالعہ کرے گا اور اپنی شخصی خواہشات اگر وہی خیالات، قومی تعصبات، سب کو تج کر بالکلیہ ان کے طرز زندگی کے رنگ میں رنگتا چلا جائے گا۔ اگر "ایمان بالرسل" ایسا نہ ہو تو محض دل خوشکن عقیدتوں سے ان کے نام سن سن کر انگوٹھے چومنے سے اور درود و سلام کی کثرتوں سے کچھ نہیں ہوتا جب کہ انسان کی اپنی زندگی پر باطل محیط ہو اور وہ شیطانی ادیان سے انبیاء کے دین کی مغلوبی پر راضی و مطمئن ہو۔ نیز انبیاء کی پیروی کے ساتھ یہ طریقہ بھی سازگار نہیں کر سکتا کہ زندگی کو دو حصوں میں بانٹ دیا جائے ایک حصہ میں کچھ "مذہبی" اذکار و اعمال کی حد تک، انبیاء کرام کی اتباع و پیروی کا نام لیا جاتا رہے اور دوسرے حصہ میں کچھ اختیاری طور پر اور کچھ اضطرار کے حیلوں اور بہانوں سے فقیہانہ نکتہ آفرینیوں کے ساتھ باطل اور اہل باطل کی پیروی، اطاعت اور فرمانبرداری اختیار کر لی جائے۔ اسوۂ انبیاء پر چلنا اور ان کے طرز پر دنیا کو دعوت الی اللہ دینا تو غیر ممکن ہو لیکن ہر مادی تحریک اور سعی جو عقل و تجربہ کی بنا پر قومی یا وطنی رنگ میں وقت و حالات کے تحت چل رہی ہو ممکن ہی نہیں بلکہ اس کا کامیاب ہونا قرین قیاس سمجھا جائے۔

انبیاء و رسل پر ایمان لانے کا صحیح تقاضا یہ ہے کہ ہمارا رویۂ زندگی مرضی الٰہی کے مطابق درست ہو جائے، اور اس مقصد کے حصول میں ہمارا قدم تیز ہو جائے جو وارثِ انبیاء ہونے کے اعتبار سے ہم پر بحیثیت "امۃ وسط" اور "امۃ مسلمہ" ہونے کے عائد ہوتا ہے، اور کوئی قانونی موشگافی یا منطقی باریک بینی ہمیں اس کام کا اقدام کرنے سے نہ روک سکے جو ایمان کے مقتضیات اور لوازم اور خصائص میں سے ہے۔

جن انبیاء کرام کے نام اور کام قرآن عزیز نے بتلائے ہیں ان پر اسی طرح ایمان لانا چاہیے جس طرح قرآن میں موجود ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اتباع کے لیے ہونا چاہیے

پچھلے نبیوں کی تعلیمات اور سیرتیں جو کچھ اور جتنی کچھ قرآن نے محفوظ کر دی ہیں وہ تو محفوظ ہیں لیکن مفصل طور پر کسی کی تعلیم اور سیرت محفوظ نہیں رہی اس لیے زندگی کے جملہ معاملات میں اتباع کے لیے ان کی طرف رجوع نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں نبی اسی قوم کی ضروریات کے لیے روانہ کیا تھا اور اسی کے مطابق ہر رسول کی شریعت تھی۔ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت دی گئی وہ تمام دنیا کے انسانوں، ملکوں اور قوموں کے لیے ہے۔ انسانی فطرت اور عقل سلیم کے مطابق ہر ضرورت قیام قیامت تک کے لیے اس سے پوری ہو سکتی ہے۔ آپ کی نبوت آخری نبوت ہے اس لیے پوری انسانیت کے لیے یہ کافی بھی ہے اور رہنمائی کے لیے اس کا ہر خط و خال پوری حفاظت سے محفوظ بھی رکھا گیا ہے۔ اللہ کی آخری کتاب قرآن کا حال اگر یہ ہے کہ "فِیۡهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ" تو آخری رسول کا حال یہ ہے کہ اِنِّیۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَیۡكُمۡ جَمِیۡعًا۔

(باقی)

فہرست مطبوعات مکتبہ جماعت اسلامی

تفہیمات	۱ے	تنقیحات	عہ/			اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے	۶ر
خطبات (قسم دوم)	۱۲ر	ہیگل، مارکس اور نظام اسلام	عہ/			معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل	۶ر
دینیات (قسم اول) مجلد	عہ/	اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر	عہ			تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں	۶ر
״ (״ دوم)	عہ	اسلام کیا ہے؟ (انگریزی)	۱ے			علما اور اسلام	۱۲ر
روداد جماعت اسلامی (حصہ اول)	۱۰ر	دین حق	۴ر	اسلام اور جاہلیت	۴ر	اسلامی نظام	عہ
״ ״ (״ دوم)	۹ر	نشان راہ	۸ر	اخلاقی نقطۂ نظر	۴ر	اسلام کا سیاسی نظریہ اور فلاح عالم	۸ر
״ ״ (״ سوم)	عہ	سلامتی کا راستہ	۴ر	جہاد فی سبیل اللہ	۴ر		
مسئلۂ قومیت	۱ے	نیا نظام تعلیم	۴ر	اسلام کا نظریہ سیاسی	۴ر	اسلام کی راہ راست اور اس سے انحراف کی راہیں	۸ر